رنگِ خیال

الحمدللہ کہ ہم مسلمان اور ایک آزاد مملکت کے شہری ہیں، جسے اسلامی جمہوریہ پاکستان کہا جاتا ہے۔ یہ پاکستان دوقومی نظریے کی اساس پر قائم ہوا ہے۔ یہ دوقومی نظریہ کیا ہے؟ اسلامی نظریہ کا غیر اسلامی نظریے سے تشخص اور امتیاز... سوئے نصیب کہ پاکستان بننے کے بعد ہم نے بحیثیت مجموعی اس نظریہ کو فراموش کر دیا۔ نتیجتاً پاکستان اپنے مقصد تخلیق سے ہم آہنگ نہ ہو سکا یعنی وہی سماجی عدم تحفظ، وہی معاشی عدم استحکام، وہی سیاسی عدم سالمیت، تعلیم وصحت کے باب میں وہی ناہمواریاں اور اپنے دین کی اساس یعنی قرآن وسنت سے وہی عدم تعلق، وہی دوریاں، وہی مجبوریاں کہ جس کی وجہ سے پاکستانی معاشرہ آج تک اسلامی معاشرہ نہ بن سکا۔ اس سلسلے میں بغرض اصلاح ہر دور میں کچھ نہ کچھ کوششیں ضرور ہوتی رہی ہیں اور یہ انہی کوششوں کا ثمر ہے کہ ابھی اندھیرا نہیں چھایا۔ چراغ سے چراغ جل رہے ہیں۔ امید کی کرن آج بھی روشن ہے۔ افسوس صرف یہ ہے کہ یہ نورانی اقلیت کبھی اکثریت نہ بن سکی بلکہ غیر اسلامی ثقافتی یلغار اور جلوؤں کی ہر سُو میں خدشہ پیدا ہو گیا ہے کہ مبادا یہ اقلیت، اقل قلیل میں تبدیل ہو جائے۔ (خدانہ کرے کہ یہ روز بد بھی ہمیں دیکھنا نصیب ہو) ایسی صورتحال میں ہر دردمند اور حساس مسلمان، بے چین اور مضطرب دکھائی دیتا ہے مگر رستہ نظر نہیں آتا۔ ایسے میں ملت کے نوجوانوں کو صحیح رستہ دکھانا اگر معلموں اور دانشوروں کا کام نہیں تو پھر کس کا کام ہے؟

چنانچہ جامعہ کراچی کے حساس طلبہ اور اساتذہ و دیگر اہل علم وارباب دانش نے باہمی مشاورت کے بعد گذشتہ سال سے "التفسیر" کے نام سے ایک سہ ماہی علمی فکری اور تحقیقی مجلہ نکالنے کا اہتمام کیا ہے۔ اس مجلہ کا مقصد ملت کے نوجوانوں کو قرآن مجید اور سنت نبوی ﷺ کی طرف واپس لانا ہے، ان کے زاویہ فکر ونظر کو ٹھیک کرنا ہے، انہیں علمی منہاج مہیا کرنا ہے، انہیں تحقیق وتدقیق کی راہوں پر ڈالنا ہے تاکہ وہ غیر ضروری مسائل میں نہ الجھیں، فروعات سے بچیں، فکر وعمل میں وحدت اور قرآن وسنت کی مرکزیت پیدا کریں، جدید علوم وفنون سے آراستہ ہوں، اقصائے عالم پر اپنے "خیر امت" ہونے کی شہادت دیں۔ بقول ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مرحوم کے "یہ کام بہت بڑا ہے اور ہماری کوششیں ضعیف، ایک پہاڑ کو کاٹ کر جوئے شیر نکالنی ہے اور ہمارے ہاتھوں میں نہ قوت ہے، نہ ہمارے تیشہ میں دھار، پھر بھی اگر توفیق الٰہی شامل ہوئی تو ہم کامیاب ہوں گے، ورنہ کم از کم ایک عظیم مقصد میں اپنے دست وبازو کو شامل کرنے کی سعادت سے بہرہ مند ہوں گے۔

ہم اپنے حصے کا کام کر رہے ہیں، آپ اپنے حصے کا کام کیجئے۔ آپ سے درخواست ہے کہ اس علمی ودینی کام میں آپ اپنے باوقار ادارے / کمپنی / انڈسٹری / فیکٹری کا اشتہار دے کر ہماری مالی معاونت اور سرپرستی فرمائیں تاکہ جس کار خیر کا آغاز ہم نے بے سروسامانی کے عالم میں کیا ہے، وہ مسلسل جاری وساری رہے اور ہم سب کے لئے صدقہ جاریہ بن جائے۔

(مدیر اعلیٰ)

عذاب الٰہی اور فطری حوادث کے مابین فرق وامتیاز

ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج

استاذ الفقہ والتفسیر

شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

پاکستان میں 8 اکتوبر 2005ء کو برپا ہونے والے زلزلے نے ایکبار پھر یہ ابدو البد یہی حقیقت واشگاف کر دی ہے کہ تمام تر طاقت اور وسائل وذرائع کے باوجود، انسان قدرت کے آگے بالکل بے بس ہے۔ انسانی بے بسی کی یہ تعبیر، عذاب الٰہی سے بھی کی جاتی ہے اور ان فطری قوانین کی رو سے بھی جن کا ظہور، بہر حال ناگزیر ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ وہ نیچرل پروسس ہوتا ہے جسے علت ومعلول کی دنیا میں بہر حال اپنے منطقی انجام تک پہنچنا ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ یہ طبیعی حوادث اندھے ہوتے ہیں، جو بغیر کسی امتیاز کے اپنا اثر دکھاتے ہیں۔ انسانوں کی بہترین اور اعلیٰ اخلاقیات اپنی قدر ومنزلت کے باوجود انہیں ان حادثوں سے نہیں بچا سکتیں۔ تاہم بہترین اور اعلیٰ طبیعی اسباب و ذرائع انہیں کسی نہ کسی حد تک ضرور بچا سکتے ہیں۔

عذاب الٰہی اور حوادث ارضی وسماوی کے مابین فرق وامتیاز کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے عذاب الٰہی کے مفہوم کو سمجھ لیا جائے۔ دراصل جب ہم حوادث زمانہ کے مقابلہ پر عذاب الٰہی کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو ہمارے ذہن میں وہ مفہوم عذاب مرتسم ہوتا ہے جو گذشتہ اقوام پر ان کی نافرمانیوں، سرکشیوں اور ظلم وتعدی کی پاداش میں وارد ہوتا رہا ہے۔ گو وہ عذاب، کسی نہ کسی حادثۂ ارضی وسماوی کی شکل میں ہی کیوں نہ آیا ہو۔ مگر ان کا سررشتہ بہر حال انسانی اعمال سے جڑا ہوا تھا۔ کیونکہ وہ حادثات فقط قوانین فطرت کا نتیجہ نہیں تھے بلکہ انسانی اعمال کا نتیجہ تھے۔

جبکہ سائنسی زبان میں عذاب الٰہی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ حوادث ارضی وسماوی کی سائنسی توجیہہ کرنے والے لوگ عذاب ہائے ماسبق کو بھی طبیعی حوادث قرار دیتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک